© rasailojaraid.com

خلافتِ راشدہ سے ملوکیت تک

(۲)

ابو الاعلیٰ مودودی

پانچواں مرحلہ | حضرت عثمانؓ کی شہادت (۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ) کے بعد حضرت نعمان بن بشیر اُن کا خون سے بھرا ہوا قمیص، اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت نائلہ کی کٹی ہوئی انگلیاں، حضرت معاویہؓ کے پاس دمشق لے گئے اور انہوں نے یہ چیزیں منظرِ عام پر لٹکا دیں تاکہ اہلِ شام کے جذبات بھڑک اٹھیں[۳۲]۔ یہ اس بات کی کھلی علامت تھی کہ حضرت معاویہؓ خونِ عثمان کا بدلہ قانون کے راستہ سے نہیں بلکہ غیر قانونی طریقہ سے لینا چاہتے ہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ شہادتِ عثمانؓ کی خبر ہی لوگوں میں غم و غصہ پیدا کرنے کے لیے کافی تھی، اس قمیص اور ان انگلیوں کا مظاہرہ کر کے عوام میں اشتعال پیدا کرنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔

اِدھر حضرت علیؓ نے منصبِ خلافت سنبھالنے کے بعد جو کام سب سے پہلے کیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ محرم ۳۶ھ میں حضرت معاویہ کو شام سے معزول کر کے حضرت سہل بن حُنَیف کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ مگر ابھی یہ نئے گورنر تبوک تک ہی پہنچے تھے کہ شام کے سواروں کا ایک دستہ اُن سے آ کر ملا اور اس نے کہا "اگر آپ حضرت عثمانؓ کی طرف سے آئے ہیں تو اہلاً و سہلاً، اور اگر کسی اور کی طرف سے آئے ہیں تو واپس تشریف لے جائیے"[۳۳]۔ یہ اس بات کا صاف نوٹس تھا کہ شام کا صوبہ نئے خلیفہ کی اطاعت کے لیے تیار نہیں ہے۔ حضرت علیؓ نے ایک اور صاحب کو اپنے ایک خط کے ساتھ حضرت معاویہ کے پاس بھیجا، مگر انہوں نے اس کا

۳۲؎ ابن الاثیر ج ۳، ص ۹۸ - البدایہ، ج ۷، ص ۲۲۷

۳۳؎ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۰۳ - البدایہ، ج ۷، ص ۲۲۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی جواب نہ دیا اور صفر ۳۶ھ میں اپنی طرف سے ایک لفافہ اپنے ایک پیغامبر کے ہاتھ ان کے پاس بھیج دیا۔ حضرت علیؓ نے لفافہ کھولا تو اس میں کوئی خط نہ تھا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ اس نے کہا "میرے پیچھے دمشق میں ۶۰ ہزار آدمی خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لیے بے تاب ہیں"۔ حضرت علیؓ نے پوچھا، کس سے بدلہ لینا چاہتے ہیں؟ اس نے کہا "آپ کی رگِ گردن سے"[۳۴]۔ اس کے صاف معنی یہ تھے کہ شام کا گورنر صرف اطاعت ہی سے منحرف نہیں ہے بلکہ اپنے صوبہ کی پوری فوجی طاقت مرکزی حکومت سے لڑنے کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے اور اس کے پیشِ نظر قاتلینِ عثمانؓ سے نہیں بلکہ خلیفۂ وقت سے خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینا ہے۔

یہ سب کچھ اس چیز کا نتیجہ تھا کہ حضرت معاویہ مسلسل ۱۶-۱۷ سال ایک ہی صوبے، اور وہ بھی جنگی نقطۂ نظر سے انتہائی اہم صوبے کی گورنری پر رکھے گئے۔ اسی وجہ سے شام خلافتِ اسلامیہ کے ایک صوبے کی بہ نسبت اُن کی ریاست زیادہ بن گیا تھا۔ مؤرخین نے حضرت علیؓ کے حضرت معاویہؓ کو معزول کرنے کا واقعہ کچھ ایسے انداز سے بیان کیا ہے جس سے پڑھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ تدبّر سے بالکل ہی کورے تھے۔ مُغیرہ بن شعبہ نے ان کو عقل کی بات بتائی تھی کہ معاویہ کو نہ چھیڑیں، مگر انہوں نے اپنی نادانی سے یہ رائے نہ مانی اور حضرت معاویہ کو خواہ مخواہ بھڑکا کر مصیبت مول لے لی۔ حالانکہ واقعات کا جو نقشہ خود اُنہی کی لکھی ہوئی تاریخوں سے ہمارے سامنے آتا ہے اسے دیکھ کر کوئی سیاسی بصیرت رکھنے والا آدمی یہ محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ حضرت علیؓ اگر حضرت معاویہ کی معزولی کا حکم صادر کرنے میں تاخیر کرتے تو یہ بہت بڑی غلطی ہوتی۔ ان کے اس اقدام سے ابتدا ہی میں یہ بات کھل گئی کہ حضرت معاویہ کس مقام پر کھڑے ہیں۔ زیادہ دیر تک اُن کے موقف پر پردہ پڑا رہتا تو یہ دھوکے کا پردہ ہوتا جو زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ نے اس کے بعد شام پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی۔ اُس وقت اُن کے لیے شام کو اطاعت پر مجبور کر دینا کچھ بھی مشکل نہ تھا، کیونکہ جزیرۃ العرب، عراق اور مصر اُن کے تابع

۳۴؎ الطبری، جلد ۳، ص ۴۶۴۔ ابن الاثیر، ج ۳ ص ۱۰۴۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۲۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زمان تھے، تنہا شام کا صوبہ ان کے مقابلے پر زیادہ دیر نہ ٹھیر سکتا تھا۔ علاوہ بریں دنیائے اسلام کی عام رائے بھی اس کو ہرگز پسند نہ کرتی کہ ایک صوبے کا گورنر خلیفہ کے مقابلے میں تلوار لے کر کھڑا ہو جائے۔ بلکہ اس صورت میں خود شام کے لوگوں کے لیے بھی یہ ممکن نہ تھا کہ وہ سب متحد ہو کر خلیفہ کے مقابلے میں حضرت معاویہؓ کا ساتھ دیتے۔ لیکن عین وقت پر ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم کے اُس اقدام نے جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، حالات کا نقشہ یکسر بدل دیا اور حضرت علیؓ کو شام کی طرف بڑھنے کے بجائے، ربیع الثانی ۳۶ھ میں بصرے کا رُخ کرنا پڑا۔[۳۵]

جنگِ جمل (جمادی الاُخریٰ ۳۶ھ) سے فارغ ہو کر حضرت علیؓ نے پھر شام کے معاملے کی طرف توجہ کی اور حضرت جَریر بن عبداللہ البَجلی کو حضرت معاویہ کے پاس ایک خط دے کر بھیجا جس میں اُن کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ اُمّت جس خلافت پر جمع ہو چکی ہے اس کی اطاعت قبول کر لیں اور جماعت سے الگ ہو کر تفرقہ نہ ڈالیں۔ مگر حضرت معاویہ نے ایک مدت تک حضرت جَریر کو ہاں یا ناں کا کوئی جواب نہ دیا اور انہیں برابر ٹالتے رہے۔ پھر حضرت عمرو بن العاص کے مشورے سے انہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علیؓ کو خونِ عثمان کا ذمہ دار قرار دے کر ان سے جنگ کی جائے۔ دونوں حضرات کو یقین تھا کہ جنگِ جمل کے بعد اب حضرت علی کی فوج پوری طرح متحد ہو کر اُن کے جھنڈے تلے نہ لڑ سکے گی اور نہ عراق اُس دلجمعی کے ساتھ اُن کی حمایت کر سکے گا جو اہلِ شام میں حضرت معاویہ کے لیے پائی جاتی تھی۔[۳۶] اس دوران میں جبکہ حضرت معاویہؓ ٹال مٹول کر رہے تھے، حضرت جَریر بن عبداللہ نے دمشق میں شام کے با اثر لوگوں سے ملاقاتیں کر کے ان کو یقین دلایا کہ خونِ عثمان کی ذمہ داری سے حضرت علیؓ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حضرت معاویہ کو اس سے تشویش لاحق ہوئی اور انہوں نے ایک صاحب کو اس کام پر مامور کیا کہ کچھ گواہ ایسے

---

۳۵ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۱۳۔

۳۶ الطبری، ج ۳، ص ۵۶۱۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۴۱-۱۴۲۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۵۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تیار کریں جو اہلِ شام کے سامنے یہ شہادت دے دیں کہ حضرت علیؓ ہی حضرت عثمانؓ کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ چنانچہ وہ صاحب پانچ گواہ تیار کر کے لے آئے اور انہوں نے لوگوں کے سامنے یہ شہادت دی کہ حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو قتل کیا ہے[۳۷]۔

اس کے بعد حضرت علیؓ عراق سے اور حضرت معاویہ شام سے جنگ کی تیاریاں کر کے ایک دوسرے کی طرف بڑھے اور صِفّین کے مقام پر جو فُرات کے مغربی جانب الرَّقّہ کے قریب واقع تھا، فریقین کا آمنا سامنا ہوا۔ حضرت معاویہ کا لشکر فرات کے پانی پر پہلے قابض ہو چکا تھا۔ انہوں نے لشکرِ مخالف کو اس سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہ دی۔ پھر حضرت علیؓ کی فوج نے لڑ کر ان کو وہاں سے بے دخل کر دیا اور حضرت علیؓ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ اپنی ضرورت بھر پانی لیتے رہو اور باقی سے لشکرِ مخالف کو فائدہ اٹھانے دو[۳۸]۔

ذی الحجہ کے آغاز میں باقاعدہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کے پاس اتمامِ حجت کے لیے ایک وفد بھیجا۔ مگر ان کا جواب یہ تھا کہ "میرے پاس سے چلے جاؤ، میرے اور تمہارے درمیان تلوار کے سوا کچھ نہیں ہے"[۳۹]۔

کچھ مدت تک جنگ جاری رہنے کے بعد جب محرم ۳۷ھ کے آخر تک کے لیے التوائے جنگ کا معاہدہ ہو گیا تو حضرت علیؓ نے پھر ایک وفد حضرت عَدِی بن حاتم کی سرکردگی میں بھیجا جس نے حضرت معاویہ سے کہا کہ سب لوگ حضرت علیؓ پر جمع ہو چکے ہیں اور صرف آپ اور آپ کے ساتھی ہی ان سے الگ ہیں۔ حضرت معاویہ نے جواب دیا "وہ قاتلینِ عثمان کو ہمارے حوالہ کریں تاکہ ہم انہیں قتل کر دیں، پھر ہم تمہاری بات مان لیں گے اور اطاعت قبول کر کے جماعت کے ساتھ ہو جائیں گے"۔ اس کے بعد حضرت معاویہ نے ایک وفد حضرت علی کے پاس بھیجا جس کے سردار حبیب بن مَسْلَمَۃ الفِہْری تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے کہا: "اگر آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ

[۳۷] الاستیعاب، ج ۲، ص ۵۸۶ [۳۸] الطبری، ج ۳، ص ۵۶۸-۵۶۹۔ ابن الاثیر، جلد ۳، ص ۱۴۵-۱۴۶۔ [۳۹] ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۴۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ نے حضرت عثمانؓ کو قتل نہیں کیا ہے تو جنہوں نے قتل کیا ہے انہیں ہمارے حوالہ کر دیں۔ ہم حضرت عثمان کے بدلے انہیں قتل کر دیں گے۔ پھر آپ خلافت سے دست بردار ہو جائیں، تاکہ مسلمان آپس کے مشورے سے جس پر اتفاق کریں اسے خلیفہ بنالیں[۴۰]۔

محرم گزرنے کے بعد صفر ۳۷ھ سے اصل فیصلہ کن جنگ شروع ہوئی اور آغاز ہی میں حضرت علیؓ نے اپنی فوج میں یہ اعلان کر دیا کہ "خبردار، لڑائی کی ابتدا اپنی طرف سے نہ کرنا جب تک وہ حملہ نہ کریں۔ پھر جب تم انہیں شکست دے دو تو کسی بھاگنے والے کو قتل نہ کرنا، کسی زخمی پر ہاتھ نہ ڈالنا، کسی کو برہنہ نہ کرنا، کسی مقتول کی لاش کا مُثلہ نہ کرنا۔ اور جب مخالفین کے کیمپ میں داخل ہو تو کسی عورت کو بے پردہ نہ کرنا، کسی گھر میں نہ گھسنا، اُن کے مال نہ لوٹنا، اور عورتیں خواہ تمہیں گالیاں ہی کیوں نہ دیں، ان پر دست درازی نہ کرنا[۴۱]۔"

اس جنگ کے دوران میں ایک واقعہ ایسا پیش آگیا جس نے نصِ صریح سے یہ بات کھول دی کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمارؓ بن یاسرؓ جو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل تھے، حضرت معاویہ کی فوج سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ حضرت عمارؓ کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صحابہ میں مشہور و معروف تھا، اور بہت سے صحابیوں نے اس کو حضورؐ کی زبان مبارک سے سنا تھا کہ تقتلك الفئۃ الباغیۃ "تم کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا"۔ مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، طبرانی، بیہقی، مسند ابو داؤد طیالسی وغیرہ کتبِ حدیث میں حضرات ابو سعید خُدری، ابو قتادہ انصاری، ام سلمہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمرو بن عاص، ابو ہریرہ، عثمان بن عفان، حُذیفہ، ابو ایوب انصاری، ابو رافع، خُزیمہ بن ثابت، عمرو بن العاص، ابو الیُسر، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم اور متعدد دوسرے صحابہ سے اس مضمون کی روایات منقول ہوئی ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں بھی یہ حدیث کئی سندوں

[۴۰] الطبری، جلد ۴، ص ۳-۴- ابن الاثیر، جلد ۳، ص ۱۴۷-۱۴۸- البدایہ، ج ۷، ص ۲۵۷-۲۵۸

[۴۱] الطبری ج ۴، ص ۶- ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۴۹-

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نقل کی ہے۔[۴۲] متعدد صحابہ و تابعین نے، جو حضرت علیؓ اور حضرت معاویہ کی جنگ میں مذبذب تھے، حضرت عمارؓ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لیے ایک علامت قرار دے لیا تھا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون۔[۴۳] علامہ ابن عبد البرؒ الاستیعاب میں لکھتے ہیں کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تواترِ آثار یہ بات منقول ہے کہ عمارؓ بن یاسر کو باغی گروہ قتل کریگا اور یہ صحیح ترین احادیث میں سے ہے۔"[۴۴] یہی بات حافظ ابن حجرؒ نے الاصابہ میں لکھی ہے۔[۴۵] دوسری جگہ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں: "قتلِ عمارؓ کے بعد یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حق حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور اہل السنت اس بات پر متفق ہو گئے، درانحالیکہ پہلے اس میں اختلاف تھا۔"[۴۶] حافظ ابن کثیرؒ البدایہ والنہایہ میں حضرت عمارؓ بن یاسر کے قتل کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی اس خبر کا راز کھل گیا کہ حضرت عمارؓ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا، اور اس سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ حضرت علیؓ حق پر ہیں اور حضرت معاویہ باغی ہیں۔"[۴۷] جنگِ جمل سے حضرت زبیرؓ کے ہٹ جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد یاد تھا اور انہوں نے دیکھا کہ حضرت علیؓ کے لشکر میں حضرت عمارؓ بن یاسر موجود ہیں۔[۴۸] مگر جب حضرت عمارؓ کے شہید ہونے کی خبر حضرت معاویہ کے لشکر میں پہنچی اور حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن عاص نے اپنے والد اور حضرت معاویہ دونوں کو حضورؐ کا

[۴۲] ابن سعد، ج ۳، ص ۲۵۱ تا ۲۵۳-۲۵۹

[۴۳] ایضاً، ج ۳، ص ۲۵۳-۲۵۹-۲۶۱- الطبری، ج ۴، ص ۲۷- ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۵۷-۱۶۰

[۴۴] الاستیعاب، ج ۲، ص ۴۲۴

[۴۵] الاصابہ، ج ۲، ص ۵۰۶ (مطبعۃ مصطفیٰ محمد، مصر، ۱۹۳۹)

[۴۶] الاصابہ، ج ۲، ص ۵۰۲

[۴۷] البدایہ، جلد ۷، ص ۲۷۰

[۴۸] البدایہ، جلد ۷، ص ۲۴۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ ارشاد یاد دلایا تو حضرت معاویہ نے فوراً اس کی یہ تاویل کی کہ "کیا ہم نے عمار کو قتل کیا ہے؟ ان کو تو اس نے قتل کیا جو انہیں میدانِ جنگ میں لایا"[۴۹]۔ حالانکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ حضرت عمار کو باغی گروہ میدانِ جنگ میں لائے گا، بلکہ یہ فرمایا تھا کہ باغی گروہ ان کو قتل کرے گا، اور ظاہر ہے کہ ان کو قتل حضرت معاویہ کے گروہ نے کیا تھا نہ کہ حضرت علیؓ کے گروہ نے۔

حضرت عمارؓ کی شہادت کے دوسرے روز (۱۰ صفر) سخت معرکہ برپا ہوا جس میں حضرت معاویہ کی فوج شکست کے قریب پہنچ گئی۔ اُس وقت حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو مشورہ دیا کہ اب ہماری فوج نیزوں پر قرآن اٹھالے اور کہے کہ ھٰذا حَکَمٌ بیننا و بینکم (یہ ہمارے اور تمہارے درمیان حَکَم ہے)۔ اس کی مصلحت حضرت عمرو نے خود یہ بتائی کہ "اس سے علیؓ کے لشکر میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ کچھ کہیں گے کہ یہ بات مان لی جائے، اور کچھ کہیں گے کہ نہ مانی جائے۔ ہم مجتمع رہیں گے اور اُن کے ہاں تفرقہ برپا ہو جائے گا۔ اگر وہ مان گئے تو ہمیں مہلت مل جائے گی"[۵۰]۔ اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ یہ محض ایک جنگی چال تھی، قرآن کو حَکَم بنانا سرے سے مقصود ہی نہ تھا۔

اِس مشورے کے مطابق لشکر معاویہ میں قرآن نیزوں پر اٹھایا گیا، اور اس کا وہی نتیجہ ہوا جس کی حضرت عمرو بن العاص کو امید تھی۔ حضرت علیؓ نے عراق کے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ اس چال میں نہ آؤ اور جنگ کو آخری فیصلے تک پہنچ جانے دو۔ مگر ان میں پھوٹ پڑ کر رہی اور آخر کار حضرت علی مجبور ہو گئے کہ جنگ بند کر کے حضرت معاویہ سے تحکیم کا معاہدہ کریں۔ پھر یہی پھوٹ حَکَم مقرر کرنے کے موقع پر بھی رنگ لائی۔ حضرت معاویہ نے اپنی طرف سے حضرت

۴۹۔ الطبری، ج ۴، ص ۲۹۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۵۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰۔
علامہ ابن کثیر حضرت معاویہ کی اس تاویل کے متعلق کہتے ہیں کہ "یہ بڑی دُور کی تاویل ہے جو انہوں نے پیش کی"۔

۵۰۔ الطبری، جلد ۴، ص ۳۴۔ ابن سعد، ج ۴، ص ۲۵۵۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۶۰۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۷۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عمرو بن العاص کو حکم بنایا۔ حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ اپنی طرف سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مقرر کریں۔ مگر عراق کے لوگوں نے کہا وہ تو آپ کے چچا زاد بھائی ہیں، ہم غیر جانبدار آدمی چاہتے ہیں۔ آخر اُن کے اصرار پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو حکم بنانا پڑا، حالانکہ حضرت علیؓ ان پر مطمئن نہ تھے[۵۱]

چھٹا مرحلہ | اب خلافت کو ملوکیت کی طرف جانے سے بچانے کا آخری موقع باقی رہ گیا تھا اور وہ یہ تھا کہ دونوں حکَم ٹھیک اُس معاہدے کے مطابق اپنا فیصلہ دیں جس کی رُو سے ان کو فیصلے کا اختیار سونپا گیا تھا۔ معاہدے کی جو عبارت مؤرخین نے نقل کی ہے اس میں تحکیم کی بنیاد یہ تھی:

"دونوں حَکَم جو کچھ کتاب اللہ میں پائیں اس پر عمل کریں، اور جو کچھ کتاب اللہ میں نہ پائیں اس کے بارے میں سنتِ عادلہ جامعہ غیر مُفرِّقہ پر عمل کریں[۵۲]"

لیکن دُومۃ الجندل میں جب دونوں حَکَم مل کر بیٹھے تو سرے سے یہ امر زیرِ بحث ہی نہ آیا کہ قرآن و سنّت کی رُو سے اِس قضیہ کا فیصلہ کیا ہو سکتا ہے۔ قرآن میں صاف حکم موجود تھا کہ مسلمانوں کے دو گروہ اگر آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کی صحیح صورت طائفۂ باغیہ کو راہِ راست پر آنے کے لیے مجبور کرنا ہے[۵۳] حضرت عمارؓ کی شہادت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصِ صریح نے متعین کر دیا تھا کہ اس قضیے میں طائفۂ باغیہ کونسا ہے۔ ایک امیر کی امارت قائم ہو جانے کے بعد اس کی اطاعت نہ کرنے والے کے بارے میں بھی واضح احادیث موجود تھیں۔ خون کے دعوے کا بھی شریعت میں صاف ضابطہ موجود تھا جس کی رُو سے دیکھا جا سکتا تھا کہ حضرت معاویہؓ نے خونِ عثمانؓ کے متعلق اپنا دعویٰ ٹھیک طریقہ سے اٹھایا ہے یا غلط طریقہ سے۔ اور معاہدۂ تحکیم کی رُو سے دونوں صاحبوں کے سپرد یہ کام سرے سے کیا ہی نہیں گیا تھا کہ

۵۱۔ الطبری، ج ۴، ص ۳۴-۳۵-۳۶۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۶۱-۱۶۲۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۷۵-۲۷۶

۵۲۔ الطبری، ج ۴، ص ۳۸۔ البدایہ، ج ۷، ص ۲۷۶

۵۳۔ الحجرات، آیت ۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ خلافت کے مسئلے کا جو فیصلہ بطور خود مناسب سمجھیں کردیں، بلکہ ان کے حوالے فریقین کا پورا جھگڑا اس صراحت کے ساتھ کیا گیا تھا کہ اُن کے درمیان اوّلاً کتاب اللہ اور پھر سنّتِ عادلہ کے مطابق تصفیہ کریں۔ مگر جب دونوں بزرگوں نے بات چیت شروع کی تو ان سارے پہلوؤں کو نظر انداز کرکے یہ بحث شروع کردی کہ خلافت کا مسئلہ اب کیسے طے کیا جائے۔

حضرت عمرو بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے پوچھا، آپ کے نزدیک اس معاملہ میں کیا صورت مناسب ہوگی؟ انہوں نے کہا "میری رائے یہ ہے کہ ہم ان دونوں حضرات (علی و معاویہ) کو الگ کرکے خلافت کے مسئلے کو مسلمانوں کے باہمی مشورے پر چھوڑ دیں تاکہ وہ جسے چاہیں منتخب کرلیں۔" حضرت عمرو نے کہا "ٹھیک بات یہی ہے جو آپ نے سوچی ہے۔" اس کے بعد دونوں صاحب مجمعِ عام میں آئے جہاں دونوں طرف کے چار چار سو اصحاب اور کچھ غیر جانبدار بزرگ موجود تھے۔ حضرت عمرو نے حضرت ابوموسیٰ سے کہا آپ ان لوگوں کو بتا دیجیے کہ ہم ایک رائے پر متفق ہوگئے۔" حضرت عبداللہ بن عباس نے حضرت ابوموسیٰ سے کہا "اگر آپ دونوں ایک رائے پر متفق ہوگئے ہیں تو اُس متفقہ فیصلہ کا اعلان عمرو بن العاص کو کرنے دیجیے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ دھوکا کھا گئے ہیں۔" حضرت ابوموسیٰ نے کہا "مجھے اس کا کوئی خطرہ نہیں ہے، ہم نے بالاتفاق ایک فیصلہ کیا ہے۔" پھر وہ تقریر کے لیے اٹھے اور اس میں اعلان کیا کہ "میں اور میرے یہ دوست (یعنی عمرو بن العاص) ایک بات پر متفق ہوگئے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ہم علی اور معاویہ کو الگ کردیں اور لوگ باہمی مشورے سے جس کو پسند کریں اپنا امیر بنالیں۔ لہٰذا میں علی اور معاویہ کو معزول کرتا ہوں۔ اب آپ لوگ اپنا معاملہ خود اپنے ہاتھ میں لیں اور جسے اہل سمجھیں اپنا امیر بنالیں۔" اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا "ان صاحب نے جو کچھ کہا وہ آپ لوگوں نے سُن لیا۔ انہوں نے اپنے آدمی (حضرت علی) کو معزول کردیا ہے۔ میں بھی ان کی طرح انہیں معزول کرتا ہوں اور اپنے آدمی (حضرت معاویہ) کو قائم رکھتا ہوں کیونکہ وہ عثمان ابن عفان کے ولی اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُن کے خون کے دعوے دار اور ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق ہیں"۔ حضرت ابوموسیٰ نے یہ بات سنتے ہی کہا مالک لا وفقک اللہ، غدرت و فجرت (یہ تم نے کیا کیا؟ خدا تمہیں توفیق نہ دے، تم نے دھوکا دیا اور عہد کی خلاف ورزی کی)۔ حضرت سعد بن ابی وقاص بولے "افسوس تمہارے حال پر اے ابوموسیٰ، تم عمرو کی چالوں کے مقابلے میں بڑے کمزور نکلے"۔ حضرت ابوموسیٰ نے جواب دیا "اب میں کیا کروں؟ اس شخص نے مجھ سے ایک بات پر اتفاق کیا اور پھر اس سے دامن چھڑا لیا"۔ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے کہا "ابوموسیٰ اس سے پہلے مرگئے ہوتے تو ان کے حق میں زیادہ اچھا تھا"۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: "دیکھو، اس امت کا حال کہاں جا پہنچا ہے۔ اس کا مستقبل دو ایسے آدمیوں کے حوالے کر دیا گیا جن میں سے ایک کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے، اور دوسرا ضعیف ہے"[۵۴]۔

درحقیقت کسی شخص کو بھی وہاں اس امر میں شک نہ تھا کہ دونوں کے درمیان اُسی بات پر اتفاق ہوا تھا جو حضرت ابوموسیٰ نے اپنی تقریر میں کہی تھی اور حضرت عمرو بن العاص نے جو کچھ کیا وہ طے شدہ بات کے بالکل خلاف تھا۔ اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص نے جا کر حضرت معاویہ کو خلافت کی بشارت دی، اور حضرت ابوموسیٰ شرم کے مارے حضرت علی کو منہ نہ دکھا سکے اور سیدھے مکے چلے گئے[۵۵]۔

حافظ ابن کثیر حضرت عمرو بن العاص کے اِس فعل کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ "انہوں نے اس حالت میں لوگوں کو بلا امام چھوڑنا مناسب نہ سمجھا، کیونکہ اُس وقت لوگوں میں جو اختلاف برپا تھا اس کو دیکھتے ہوئے انہیں خطرہ تھا کہ ایسا کرنا ایک طویل و عریض فساد کا موجب ہوگا اس لیے انہوں نے مصلحت کی بنا پر حضرت معاویہ کو برقرار رکھا، اور اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے

---

۵۴ الطبری، ج ۴، ص ۵۱۔ ابن سعد، ج ۴، ص ۲۵۶-۲۵۷۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۶۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۷، ص ۲۸۲-۲۸۳

۵۵ البدایہ، ج ۷، ص ۲۸۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور غلط بھی [۵۶] لیکن جو انصاف پسند آدمی بھی نیزوں پر قرآن اٹھانے کی تجویز سے لیکر اس وقت تک کی رُوداد پڑھے گا وہ مشکل ہی سے یہ مان سکتا ہے کہ یہ سب کچھ "اجتہاد" تھا۔

بلاشبہ ہمارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ واجب الاحترام ہیں، اور بڑا ظلم کرتا ہے وہ شخص جو اُن کی کسی غلطی کی وجہ سے اُن کی ساری خدمات پر پانی پھیر دیتا ہے اور ان کے مرتبے کو بھول کر گالیاں دینے پر اُتر آتا ہے۔ مگر یہ بھی کچھ کم زیادتی نہیں ہے کہ اگر ان میں سے کسی نے کوئی غلط کام کیا ہو تو ہم محض صحابیت کی رعایت سے اس کو "اجتہاد" قرار دینے کی کوشش کریں۔ بڑے لوگوں کے غلط کام اگر ان کی بڑائی کے سبب سے اجتہاد بن جائیں تو بعد کے لوگوں کو ہم کیا کہہ کر ایسے "اجتہادات" سے روک سکتے ہیں۔ اجتہاد کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ امرِ حق معلوم کرنے کے لیے آدمی اپنی انتہائی حدِ وسع تک کوشش کرے۔ اس کوشش میں دانستہ غلطی بھی ہو جائے تو حق معلوم کرنے کی کوشش بجائے خود اجر کی مستحق ہے۔ لیکن جان بوجھ کر ایک سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق غلط کام کرنے کا نام اجتہاد ہرگز نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت اس طرح کے معاملات میں افراط و تفریط، دونوں ہی یکساں احتراز کے لائق ہیں۔ کوئی غلط کام محض شرفِ صحابیت کی وجہ سے مشرّف نہیں ہو جاتا بلکہ صحابی کے مرتبۂ بلند کی وجہ سے وہ غلطی اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ لیکن اُس پر رائے زنی کرنے والے کو لازماً یہ احتیاط ملحوظ رکھنی چاہیئے کہ غلط کو صرف غلط سمجھنے اور کہنے پر اکتفا کرے۔ اس سے آگے بڑھ کر صحابی کی ذات کو بحیثیت مجموعی مطعون نہ کرنے لگے۔

اس بحث سے قطع نظر کہ دونوں حَکَموں میں سے ایک نے کیا کیا اور دوسرے نے کیا۔ بجائے خود یہ پوری کارروائی جو دُومتہ الجندل میں ہوئی، معاہدۂ تحکیم کے بالکل خلاف اور اس کے حدود سے قطعی متجاوز تھی۔ ان حضرات نے غلط طور پر یہ فرض کر لیا کہ وہ حضرت علی کو معزول کرنے کے مجاز ہیں، حالانکہ وہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد باقاعدہ آئینی طریقے پر خلیفہ منتخب ہوئے تھے، اور معاہدۂ تحکیم کے کسی لفظ سے یہ اختیار ان دونوں حضرات کو نہیں سونپا گیا تھا کہ وہ

[۵۶] حوالہ مذکور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُنہیں معزول کر دیں۔ پھر انہوں نے یہ بھی غلط فرض کر لیا کہ حضرت معاویہ ان کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ لے کر اٹھے ہیں، حالانکہ اُس وقت تک وہ صرف خونِ عثمان کے مدعی تھے نہ کہ منصبِ خلافت کے۔ مزید برآں ان کا یہ مفروضہ بھی غلط تھا کہ وہ خلافت کے مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لیے حکم بنائے گئے ہیں۔ معاہدۂ تحکیم میں اس مفروضے کے لیے کوئی بنیاد موجود نہ تھی۔

اسی بنا پر حضرت علیؓ نے ان کے فیصلے کو رد کر دیا اور اپنی جماعت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"سنو، یہ دونوں صاحب جنہیں تم لوگوں نے حکم مقرر کیا تھا، انہوں نے قرآن کے حکم کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا، اور خدا کی ہدایت کے بغیر ان میں سے ہر ایک نے اپنے خیالات کی پیروی کی، اور ایسا فیصلہ دیا جو کسی واضح حجت اور سنتِ ماضیہ پر مبنی نہیں ہے، اور اس فیصلے میں دونوں نے اختلاف کیا ہے، اور دونوں ہی کسی صحیح فیصلے پر نہیں پہنچے ہیں[۵۷]۔"

اس کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ واپس پہنچ کر شام پر چڑھائی کی پھر تیاریاں شروع کر دیں۔ اس زمانے میں انہوں نے جو تقریریں کیں اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امت پر ملوکیت کے مسلط ہو جانے کا خطرہ کس شدت کے ساتھ محسوس کر رہے تھے اور خلافتِ راشدہ کے نظام کو بچانے کے لیے کس طرح ہاتھ پاؤں مار رہے تھے۔ ایک تقریر میں وہ فرماتے ہیں:

"خدا کی قسم، اگر یہ لوگ تمہارے حاکم بن گئے تو تمہارے درمیان کسریٰ اور ہرقل کی طرح کام کریں گے[۵۸]۔"

ایک دوسری تقریر میں انہوں نے فرمایا:

"چلو اُن لوگوں کے مقابلے میں جو تم سے اس لیے لڑ رہے ہیں کہ ملوکِ جبابرہ بن جائیں اور اللہ کے بندوں کو اپنا غلام بنا لیں[۵۹]۔"

۵۷؎ الطبری، ج ۴، ص ۵۷۔ ۵۸؎ الطبری، ج ۴، ص ۵۸۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۷۱۔

۵۹؎ الطبری، ج ۴، ص ۵۹۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۱۷۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر عراق کے لوگ ہمت ہار چکے تھے اور خوارج کے فتنے نے حضرت علیؓ کے لیے مزید ایک درد سر پیدا کر دیا تھا۔ پھر حضرت معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص کی تدبیروں سے مصر اور شمالی افریقہ کے علاقے بھی ان کے ہاتھ سے نکل گئے، اور دنیائے اسلام عملاً دو متحارب حکومتوں میں بٹ گئی۔ آخر کار حضرت علیؓ کی شہادت (رمضان ۴۰ھ) اور پھر حضرت حسن کی مصالحت (۴۱ھ) نے میدان حضرت معاویہ کے لیے پوری طرح خالی کر دیا۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے انہیں دیکھ کر بہت سے وہ لوگ بھی، جو پہلے حضرت علیؓ اور ان کے مخالفین کی لڑائیوں کو محض فتنہ سمجھ کر غیر جانبدار رہے تھے، یہ اچھی طرح جان گئے کہ حضرت علیؓ کس چیز کو قائم رکھنے اور اُمت کو کس انجام سے بچانے کے لیے اپنی جان کھپا رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عُمر نے اپنے آخری زمانے میں کہا "مجھے کسی چیز پر اتنا افسوس نہیں ہے جتنا اس بات پر ہے کہ میں نے علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ کیوں نہ دیا"[۶۰]۔ ابراہیم النخعی کی روایت ہے کہ مسروق بن اَجدَع حضرت علیؓ کا ساتھ نہ دینے پر توبہ و استغفار کیا کرتے تھے[۶۱]۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کو عمر بھر اس بات پر سخت ندامت رہی کہ وہ حضرت علیؓ کے خلاف جنگ میں حضرت معاویہ کے ساتھ کیوں شریک ہوتے تھے[۶۲]۔

حضرت علیؓ نے اس پورے فتنے کے زمانے میں جس طرح کام کیا وہ ٹھیک ٹھیک ایک خلیفۂ راشد کے شایان شان تھا۔ البتہ صرف ایک چیز ایسی ہے جس کی مدافعت مشکل ہی سے کی جا سکتی ہے۔ وہ یہ کہ جنگِ جمل کے بعد انہوں نے قاتلینِ عثمان کے بارے میں اپنا رویّہ بدل دیا۔ جنگ جمل تک وہ ان لوگوں سے بیزار تھے، بادلِ ناخواستہ اُن کو برداشت کر رہے تھے اور ان پر گرفت کرنے کے لیے موقع کے منتظر تھے۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے گفتگو

---

۶۰ ابن سعد، ج ۴، ص ۱۸۷۔ ابن عبدالبر، الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۰-۳۷

۶۱ الاستیعاب، ج ۱، ص ۳۰۔

۶۲ ایضاً۔ ج ۱، ص ۳۷

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنے کے لیے جب انہوں نے حضرت قعقاع بن عمرو کو بھیجا تھا تو ان کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت قعقاع نے کہا تھا کہ "حضرت علیؓ نے قاتلینِ عثمان پر ہاتھ ڈالنے کو اس وقت تک مؤخر کر رکھا ہے جب تک وہ انہیں پکڑنے پر قادر نہ ہو جائیں، آپ لوگ بیعت کرلیں تو پھر خونِ عثمانؓ کا بدلہ لینا آسان ہو جائے گا"[۶۳]۔ پھر جنگ سے عین پہلے جو گفتگو اُن کے اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے درمیان ہوئی اس میں حضرت طلحہؓ نے اُن پر الزام لگایا کہ آپ خونِ عثمانؓ کے ذمہ دار ہیں، اور انہوں نے جواب میں فرمایا لعن اللہ قتلۃ عثمان (عثمان کے قاتلوں پر خدا کی لعنت)[۶۴]۔ لیکن اس کے بعد بتدریج وہ لوگ اُن کے ہاں تقرّب حاصل کرتے گئے جو حضرت عثمانؓ کے خلاف شورش برپا کرنے اور بالآخر انہیں شہید کرنے کے ذمہ دار تھے حتیٰ کہ انہوں نے مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے، درآنحالیکہ قتلِ عثمان میں ان دونوں صاحبوں کا جو حصہ تھا وہ سب کو معلوم ہے۔ ممکن ہے کہ اس کے کچھ ایسے اسباب ہوں جو آج ہمارے علم میں نہ ہوں، مگر دل یہی کہتا ہے کہ کاش امیر المومنین نے اس سے احتراز فرمایا ہوتا۔

بعض لوگ اس بات پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ نے اپنے متعدد رشتہ داروں کو بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز کیا، مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبیداللہ بن عباس، حضرت قُثَم بن عباس وغیرہم۔ لیکن یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ انہوں نے یہ کام ایسے حالات میں کیا تھا جبکہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیتیں رکھنے والے اصحاب میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ تعاون نہیں کر رہا تھا، دوسرا گروہ مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا تھا، اور تیسرے گروہ میں سے آئے دن لوگ نکل نکل کر دوسری طرف جا رہے تھے۔ ان حالات میں وہ انہی لوگوں سے کام لینے پر مجبور تھے جن پر وہ پوری طرح اعتماد کر سکیں۔ یہ صورتِ حال حضرت عثمانؓ کے دور کی صورت

---

۶۳ البدایہ، ج ۷، ص ۲۳۷

۶۴ ایضاً، ج ۷، ص ۲۴۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حال سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی کیونکہ اُن کو اپنے وقت میں امت کے تمام ذی صلاحیت لوگوں کا مکمل تعاون حاصل تھا۔

آخری مرحلہ | حضرت معاویہ کے ہاتھ میں اختیارات کا آنا خلافت سے ملوکیت کی طرف اسلامی ریاست کے انتقال کا عبوری مرحلہ تھا۔ بصیرت رکھنے والے لوگ اسی مرحلے میں یہ سمجھ گئے تھے کہ اب ہمیں بادشاہی سے سابقہ درپیش ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جب حضرت معاویہ کی بیعت ہو جانے کے بعد ان سے ملے تو السلام علیک ایھا الملک کہہ کر خطاب کیا۔ حضرت معاویہ نے کہا اگر آپ امیر المومنین کہتے تو کیا حرج تھا؟ انہوں نے جواب دیا: "خدا کی قسم جس طرح آپ کو یہ حکومت ملی ہے اُس طریقہ سے اگر یہ مجھے مل رہی ہوتی تو میں اس کا لینا ہرگز پسند نہ کرتا"۔[۶۵] حضرت معاویہ خود بھی اس حقیقت کو سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خود کہا تھا کہ انا اول الملوک "میں مسلمانوں میں پہلا بادشاہ ہوں"۔[۶۶] بلکہ حافظ ابن کثیر کے بقول سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ "میرے بعد خلافت ۳۰ سال رہے گی، پھر بادشاہی ہوگی"، اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہو گئی جبکہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہوئے۔[۶۷]

اب خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے بحال ہونے کی آخری صورت صرف یہ باقی رہ گئی تھی کہ حضرت معاویہ یا تو اپنے بعد اس منصب پر کسی شخص کے تقرر کا معاملہ مسلمانوں کے باہمی مشورے

[۶۵] ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۰۵۔ حضرت سعدؓ کا نقطۂ نظر اس معاملہ میں جو کچھ تھا اس پر بہترین روشنی اس واقعہ سے پڑتی ہے کہ زمانۂ فتنہ میں ایک دفعہ ان کے بھتیجے ہاشم بن عتبہ بن ابی وقاص نے ان سے کہا کہ اگر آپ اِس وقت خلافت کے لیے کھڑے ہو جائیں تو ایک لاکھ تلواریں آپ کی حمایت کے لیے تیار ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ "ان ایک لاکھ تلواروں میں سے میں صرف ایک تلوار ایسی چاہتا ہوں جو کافر پر تو چلے مگر کسی مسلمان پر نہ چلے" (البدایہ، ج ۸، ص ۷۲)۔ [۶۶] الاستیعاب، ج ۱، ص ۲۵۴۔ البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۳۵۔

[۶۷] البدایہ، ج ۸، ص ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پر چھوڑ دیتے، یا اگر قطعِ نزاع کے لیے اپنی زندگی ہی میں جانشینی کا معاملہ طے کر جانا ضروری سمجھتے تو مسلمانوں کے اہلِ علم و اہلِ خیر کو جمع کر کے انہیں آزادی کے ساتھ یہ فیصلہ کرنے دیتے کہ ولی عہدی کے لیے اُمت میں موزوں تر آدمی کون ہے۔ لیکن اپنے بیٹے یزید کی ولی عہدی کے لیے خوف و طمع کے ذرائع سے بیعت لے کر انہوں نے اس امکان کا بھی خاتمہ کر دیا۔

اس تجویز کی ابتدا حضرت مُغیرہ بن شعبہ کی طرف سے ہوئی۔ حضرت معاویہ انہیں کوفے کی گورنری سے معزول کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔ انہیں اِس کی خبر مِل گئی۔ فوراً کوفہ سے دمشق پہنچے اور یزید سے مل کر کہا کہ "صحابہ کے اکابر اور قریش کے بڑے لوگ دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ امیر المومنین تمہارے لیے بیعت لے لینے میں تامل کیوں کر رہے ہیں"۔ یزید نے اس بات کا ذکر اپنے والد ماجد سے کیا۔ اُنہوں نے حضرت مغیرہ کو بُلا کر پُوچھا کہ یہ کیا بات ہے جو تم نے یزید سے کہی۔ حضرت مغیرہ نے جواب دیا "امیر المومنین، آپ دیکھ چکے ہیں کہ قتلِ عثمان کے بعد کیسے کیسے اختلافات اور خون خرابے ہوئے۔ اب بہتر یہ ہے کہ آپ یزید کو اپنی زندگی ہی میں ولی عہد مقرر کر کے بیعت لے لیں تاکہ اگر آپ کو کچھ ہو جائے تو اختلاف برپا نہ ہو"۔ حضرت معاویہ نے پوچھا "اس کام کو پُورا کرا دینے کی ذمہ داری کون لے گا؟" انہوں نے کہا "اہلِ کوفہ کو مَیں سنبھال لُونگا اور اہلِ بصرہ کو زیاد۔ اس کے بعد پھر اور کوئی مخالفت کرنے والا نہیں ہے"۔ یہ بات کر کے حضرت مغیرہ کوفہ آئے اور دس آدمیوں کو تیس ہزار درہم دے کر اس بات پر راضی کیا کہ ایک وفد کی صورت میں حضرت معاویہ کے پاس جائیں اور یزید کی ولی عہدی کے لیے ان سے کہیں۔ یہ وفد حضرت مغیرہ کے بیٹے موسیٰ بن مُغیرہ کی سرکردگی میں دمشق گیا اور اس نے اپنا کام پُورا کر دیا۔ بعد میں حضرت معاویہ نے موسیٰ کو الگ بلا کر پُوچھا "تمہارے باپ نے اِن لوگوں سے کتنے میں ان کا دین خریدا ہے؟" انہوں نے کہا ۳۰ ہزار درہم میں۔ حضرت معاویہ نے کہا "تب تو ان کا دین ان کی نگاہ میں بہت ہلکا ہے"[۵۸]

[۵۸] ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۴۹-۲۵۰۔ البدایہ، ج ۸، ص ۷۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پھر حضرت معاویہ نے بصرے کے گورنر زیاد کو لکھا کہ اس معاملہ میں تمہاری کیا رائے ہے۔
اُس نے عُبَید بن کعب النُّمَیری کو بلا کر کہا امیر المومنین نے مجھے اس معاملہ میں لکھا ہے اور میرے نزدیک یزید میں یہ یہ کمزوریاں ہیں، لہٰذا تم ان کے پاس جا کر کہو کہ آپ اس معاملہ میں جلدی نہ کریں۔ عُبَید نے کہا آپ حضرت معاویہ کی رائے خراب کرنے کی کوشش نہ کیجیے۔ میں جا کر یزید سے کہتا ہوں کہ امیر المومنین نے اس معاملہ میں امیر زیاد کا مشورہ طلب کیا ہے، اور ان کا خیال یہ ہے کہ لوگ اِس تجویز کی مخالفت کریں گے، کیونکہ تمہارے بعض طور طریقے لوگوں کو ناپسند ہیں۔ اس لیے امیر زیاد تم کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ تم اِن چیزوں کی اصلاح کر لو تاکہ یہ معاملہ ٹھیک بن جائے۔ زیاد نے اس رائے کو پسند کیا اور عُبَید نے دمشق جا کر ایک طرف یزید کو اصلاحِ اطوار کا مشورہ دیا اور دوسری طرف حضرت معاویہ سے کہا کہ آپ اس معاملے میں جلدی نہ کریں۔[۶۹] مورخین کا بیان ہے کہ اس کے بعد یزید نے اپنے بہت سے اُن اعمال کی اصلاح کر لی جو قابلِ اعتراض تھے۔ مگر اس رُوداد سے دو باتیں بالکل واضح ہیں۔ ایک یہ کہ یزید کی ولی عہدی کے لیے ابتدائی تحریک کسی صحیح جذبے کی بنیاد پر نہیں ہوئی تھی، بلکہ ایک بزرگ نے اپنے ذاتی مفاد کے لیے دوسرے بزرگ کے ذاتی مفاد سے اپیل کر کے اس تجویز کو جنم دیا، اور دونوں صاحبوں نے اس بات سے قطع نظر کر لیا کہ وہ اِس طرح امتِ محمدیہ کو کس راہ پر ڈال رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یزید بجائے خود اس مرتبے کا آدمی نہ تھا کہ حضرت معاویہ کا بیٹا ہونے کی حیثیت سے قطعِ نظر کرتے ہوئے کوئی شخص یہ رائے قائم کرتا کہ حضرت معاویہ کے بعد امت کی سربراہی کے لیے وہ موزوں ترین آدمی ہے۔

زیاد کی وفات (۵۳ھ) کے بعد حضرت معاویہ نے یزید کو ولی عہد بنانے کا فیصلہ کر لیا اور با اثر لوگوں کی رائے ہموار کرنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر کو ایک لاکھ درہم بھیجے اور یزید کی بیعت کے لیے راضی کرنا چاہا۔ انہوں نے کہا "اچھا، یہ روپیہ اِس مقصد کے لیے بھیجا گیا ہے۔ پھر تو میرا دین میرے لیے بڑا ہی سستا ہو گیا"۔ یہ کہہ کر انہوں نے روپیہ

[۶۹] الطبری، ج ۴، ص ۲۲۴-۲۲۵۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۴۹-۲۵۰۔ البدایہ، ج ۸، ص ۷۹

© rasailojaraid.com

لینے سے انکار کر دیا۔[۳۸]

پھر حضرت معاویہ نے مدینے کے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو جانشین مقرر کر دوں۔ لوگوں سے پوچھو کہ جانشین مقرر کرنے کے معاملہ میں وہ کیا کہتے ہیں۔ مروان نے اہلِ مدینہ کے سامنے یہ بات پیش کی۔ لوگوں نے کہا ایسا کرنا عین مناسب ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لیے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہلِ مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجدِ نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "امیر المومنین نے تمہارے لیے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے۔ یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے اُن کو سجھائی۔ اگر وہ اس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں۔ ابوبکرؓ و عمرؓ نے بھی جانشین مقرر کیے تھے"۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر اُٹھے اور انہوں نے کہا "جھوٹ بولے ہو تم اے مروان، اور جھوٹ کہا معاویہ نے۔ تم نے ہرگز امتِ محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے۔ تم اسے قیصریت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اس کا بیٹا آگیا۔ یہ سنتِ ابوبکرؓ و عمرؓ نہیں ہے۔ انہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا"۔ مروان نے کہا "پکڑو اس شخص کو، یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالَّذِیْ قَالَ لِوَالِدَیْہِ اُفٍّ لَّکُمَآ . . . . (الاحقاف، ۱۷)"۔ حضرت عبدالرحمٰن نے بھاگ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہؓ چیخ اٹھیں کہ "جھوٹ کہا مروان نے۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے معاملہ میں یہ آیت نہیں آئی ہے، بلکہ ایک اور شخص کے معاملہ میں آئی ہے، جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں۔ البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اُس کی صُلب میں تھا"۔ اس مجلس میں حضرت عبدالرحمٰن کی طرح حضرت حسین بن علیؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا۔[۳۹]

[۳۸] ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۵۰ - البدایہ، ج ۸، ص ۸۹

[۳۹] اگلے صفحہ پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی زمانہ میں حضرت معاویہ نے مختلف علاقوں سے وفود بھی طلب کیے اور یہ معاملہ ان کے سامنے رکھا۔ جواب میں لوگ خوشامدانہ تقریریں کرتے رہے، مگر حضرت اَحنَف بن قیس خاموش رہے۔ حضرت معاویہ نے کہا "ابوبحر، تم کیا کہتے ہو؟" انہوں نے کہا "ہم سچ کہیں تو آپ کا ڈر ہے، جھوٹ بولیں تو خدا کا ڈر۔ امیر المومنین، آپ یزید کے شب و روز، خلوت و جَلوت، آمد و رفت، ہر چیز کو خوب جانتے ہیں۔ اگر آپ اُس کو اللہ اور اِس اُمت کے لیے واقعی پسندیدہ جانتے ہیں تو اس کے بارے میں کسی سے مشورہ نہ لیجیے۔ اور اگر آپ کے علم میں وہ اس سے مختلف ہے تو آخرت کو جاتے ہوئے دنیا اس کے حوالے کر کے نہ جائیے۔ رہے ہم، تو ہمارا کام تو بس یہ ہے کہ جو حکم ملے اس پر سمعنا واطعنا کہہ دیں"[۱]۔

عراق، شام اور دوسرے علاقوں سے بیعت لینے کے بعد حضرت معاویہ خود حجاز تشریف لے گئے، کیونکہ وہاں کا معاملہ سب سے اہم تھا اور دنیائے اسلام کی وہ با اثر شخصیتیں جن سے مزاحمت کا اندیشہ تھا وہیں رہتی تھیں۔ مدینے کے باہر حضرت حسینؓ، حضرت ابن زبیرؓ، حضرت ابن عمر اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر ان سے ملے۔ حضرت معاویہ نے ان سے ایسا درشت برتاؤ کیا کہ وہ شہر چھوڑ کر مکے چلے گئے۔ اس طرح مدینے کا معاملہ آسان ہو گیا۔ پھر انہوں نے مکے کا رُخ کیا اور ان چاروں اصحاب کو خود شہر کے باہر بلا کر ان سے ملے۔ اِس مرتبہ اُن کا برتاؤ

---

[۱] اس واقعہ کا مختصر ذکر بخاری، تفسیر سورۂ احقاف میں ہے، اور علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں اس کی تفصیلات نسائی، اسماعیلی، ابن المُنذِر، ابو یعلیٰ اور ابن ابی حاتم سے نقل کی ہیں۔ مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو الاستیعاب، ج ۲، ص ۳۹۳۔ البدایہ ج ۸، ص ۸۹۔ ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۵۰۔ ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ "بعض روایات کی رُو سے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کا انتقال ۵۳ھ میں ہو چکا تھا اس لیے اگر یہ صحیح ہے تو وہ اس موقع پر موجود نہیں ہو سکتے تھے"۔ لیکن حدیث کی معتبر روایتیں اِس کے خلاف ہیں، اور البدایہ میں حافظ ابن کثیر بتاتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن کا انتقال ۵۸ھ میں ہوا ہے۔

[۲] ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۵۰ - ۲۵۱۔ البدایہ، ج ۸، ص ۸۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس کے برعکس تھا جو مدینے کے باہر اُن سے کیا تھا۔ ان پر بڑی مہربانیاں کیں۔ انہیں اپنے ساتھ لیے ہوئے شہر میں داخل ہوئے۔ پھر تخلیے میں بلا کر انہیں یزید کی بیعت پر راضی کرنے کی کوشش کی۔ حضرت عبداللہ بن زبیر نے جواب میں کہا "آپ تین کاموں میں سے ایک کام کیجیے۔ یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کسی کو جانشین نہ بنائیے، لوگ خود اُسی طرح کسی کو اپنا خلیفہ بنا لیں گے جس طرح انہوں نے حضرت ابوبکرؓ کو بنایا تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت ابوبکرؓ نے کیا کہ اپنی جانشینی کے لیے حضرت عمرؓ جیسے شخص کو مقرر کیا جن سے ان کا کوئی دُور پرے کا رشتہ بھی نہ تھا۔ یا پھر وہ طریقہ اختیار کیجیے جو حضرت عمرؓ نے کیا کہ چھ آدمیوں کی شوریٰ تجویز کی اور اس میں ان کی اولاد میں سے کوئی شامل نہ تھا"۔ حضرت معاویہ نے باقی حضرات سے پوچھا "آپ لوگ کیا کہتے ہیں؟" انہوں نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جو ابن زبیرؓ نے کہا ہے۔ اس پر حضرت معاویہ نے کہا "اب تک میں تم لوگوں سے درگزر کرتا رہا ہوں۔ اب میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر تم میں سے کسی نے میری بات کے جواب میں ایک لفظ بھی کہا تو دوسری بات اس کی زبان سے نکلنے کی نوبت نہ آئے گی، تلوار اس کے سر پر پہلے پڑ چکی ہو گی"۔ پھر اپنے باڈی گارڈ کے افسر کو بلا کر حکم دیا کہ "ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک آدمی مقرر کر دو اور اسے تاکید کر دو کہ ان میں سے جو بھی میری بات کی تردید یا تائید میں زبان کھولے، اس کا سر قلم کر دے"۔ اس کے بعد وہ انہیں لیے ہوئے مسجد میں آئے اور اعلان کیا کہ "یہ مسلمانوں کے سردار اور بہترین لوگ، جن کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا، یزید کی ولی عہدی پر راضی ہیں اور انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ لہٰذا تم لوگ بھی بیعت کر لو"۔ اب لوگوں کی طرف سے انکار کا کوئی سوال ہی باقی نہ تھا۔ اہلِ مکہ نے بھی بیعت کر لی[۳۵]۔

اِس طرح خلافتِ راشدہ کے نظام کا آخری اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کی جگہ شاہی خانوادوں (DYNASTIES) نے لے لی۔ اور مسلمانوں کو اُس کے بعد سے

---

[۳۵] ابن الاثیر، ج ۳، ص ۲۵۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج تک پھر اپنی مرضی کی خلافت نصیب نہ ہو سکی۔ حضرت معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرفِ صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابلِ انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے۔ لیکن ان کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ اُسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔

بچوں اور خواتین کیلئے بہترین تحفے

بچوں کے لیے

پندرہ روزہ "نور" لاہور۔ زرسالانہ ۵۰/۴ فی ۲۵ پیسے

۱۔ چھٹن خاں کے سات صندوق		۶۲ پیسے
۲۔ ننھا سبیل		۶۲ ″
۳۔ گھمنڈی گرگٹ	ابن فرید	۳۷ ″
۴۔ تھوک کا مکان		۵۹ ″
۵۔ آپ بیتی نمبر "نور"		۷۵ ″

خواتین اور لڑکیوں کے لیے

ماہنامہ بتول لاہور۔ زرسالانہ ۵/- روپے

۶۔ سیرت حضرت خدیجہؓ		۵۰ پیسے
۷۔ تاجدار مدینہ کی شہزادیاں		۸۷ پیسے
۸۔ خدا کی غلامی		۳۱ پیسے
۹۔ خدا کی حکومت		۳۱ پیسے
۱۰۔ صادقہ (مجموعہ احادیث)		۱.۵۰ روپے
۱۱۔ ہم کیسے رہیں	ابن فرید	۲ روپے
۱۲۔ زندگی کا سلیقہ	″	۲-۱۲ ″
۱۳۔ چھوٹی بہو	″	۰-۷۵ ″
۱۴۔ گھریلو جھگڑے	″	۲-۳۷ ″
۱۵۔ بچے کی تربیت		۳-۳۷ ″
۱۶۔ نگینے		۱-۳۷ ″
۱۷۔ بشریٰ کے خطوط		۱- ″
۱۸۔ اسلامی زندگی		۲-۵۰ ″
۱۹۔ عورت کیا کچھ کر سکتی ہے	خدیجہ نوید عثمانی	۱-۲۵ ″
۲۰۔ مجرم کون		۲-۲۵ ″

کتب و پرچہ منگوانے کا پتہ: ادارۂ بتول ۴۸ اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

© rasailojaraid.com